ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.5 No.4 2021

ترقی پسند اُردو ناول نگاری کا ارتقائی سفر

اقصیٰ امیر
پی ایچ۔ڈی اسکالر، شعبۂ اُردو، لاہور گیریژن یونیورسٹی، لاہور
ڈاکٹر سید تنویر حسین
اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اُردو، لاہور گیریژن یونیورسٹی، لاہور

Abstract:

Urdu Novel has very importance in a literature. It has its own historical perspectives. In this essay it is highlighted the progress of novel writing in the light of progressive movement. It is also explained the works of modern progressive writers in light of progressive thoughts. The development of Urdu progressive novel is being described in details accordingly. The important modern novels are discussed in details. It is also mentioned in the essay that progressive movement have left great impact on Urdu novel writing.

اُردو ناول فکشن کے حوالے سے ایک اہم صنف ادب ہے۔ ناول میں حقیقی زندگی کے سارے رنگ اور انسانی زندگی کے اسرار منکشف ہوتے ہیں۔ یہ ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ ناول پورے معاشرے، اس کے کرداروں اور وسیع و عریض زندگی کے مختلف پہلوؤں کی عکاسی کرتا ہے۔ برصغیر میں ناول نے ہیئت، اسلوب، رجحان، تکنیک اور موضوعات کے اعتبار سے خاصی ترقی کی ہے۔ اُردو ناول کے آغاز کو ڈیڑھ صدی ہونے کو ہے۔ اپنے آغاز سے اب تک سماج میں رونما ہونے والی مختلف سیاسی و سماجی، تہذیبی و ثقافتی اور مذہبی تبدیلیاں ہونے کے ساتھ ساتھ بڑی خوب صورتی سے اپنے عہد کے درد و کرب کو سمیٹا ہے۔ ادیبوں نے اپنے تخلیقی جوہر کے اظہار کے لیے شاعری کے بعد اگر صحیح معنوں میں کسی صنف ادب کو چُنا ہے تو وہ ناول ہے جس کے توسط سے وہ بے زبان معاشرے کی زبان بن کر ان کے احساسات و جذبات کی بھرپور طریقے سے مرقع کشی کرتے ہیں۔

1857ء کا غدر ہندوستان کی سیاسی، سماجی اور ادبی تاریخ میں خاص اہمیت رکھتا ہے اس جنگ آزادی نے ہندوستانی معاشرے کے ہر شعبۂ زندگی کو متاثر کیا۔ بظاہر اس حادثے کا تعلق سیاست اور سماج سے تھا لیکن ہمارا ادب بھی اس سے بچ نہ سکا۔ ہمارے علوم و فنون میں توسیع ہوئی اور ہماری ادبیات میں مغربی اصناف کا اضافہ ہوا جس میں ایک ناول بھی ہے۔ اس دور میں اُردو ناول کی کوئی روایت موجود نہ تھی۔ اتنا ضرور ہے کہ انگریزی ناولوں کے ترجمے موجود تھے۔ اُردو زبان پر انگریزی زبان کا اثر بڑھتا گیا جس کے باعث اس عہد کے ادیب اس جدید تبدیلی کے اثر سے بچ نہ سکے اور ان کے اثرات اس دور کی تصانیف پر غالب نظر آتے ہیں۔

اُردو ناول نگاری کا آغاز مغربی اثرات کا نتیجہ ہے۔ انیسویں صدی کے آخر میں مغربی ادبیات اُردو ادب پر اثر انداز ہونے لگے اور ان حالات کی وجہ سے لوگوں کے سوچنے کے انداز میں جدت آئی۔ ناول کی صنف بھرپور انداز سے مغرب سے اُردو میں آئی۔

اُردو ناول نگاری کی تاریخ اتنی قدیم نہیں ہے تاہم اُردو فکشن داستانوں، حکایتوں، قصّوں سے ہوتا ہوا ناول تک آتے آتے مختلف مکتبہ فکر سے وابستہ رہا ہے اور موضوعاتی اعتبار سے سماج کی بدلتی ہوئی اشکال کے ساتھ ساتھ ناول بھی فکری خدوخال بدلتا رہا ہے۔ اس طرح یہ صنفِ ادب عالمی سطح کی فلسفیانہ جہت سے لے کر مشینی طرزِ حیات کی درس گاہوں کے تمام پہلوؤں سے لیس ہوتی رہی ہے اور ناول بنیادی سطح پر فکری اور سماجی طور پر عوام اور ادب کو قریب تر کرنے کا فریضہ انجام دیتا رہتا ہے۔ اُردو ناول نے مغربی ناول کی روایت کے فن کو بامِ عروج تک پہنچایا اور طرزِ اظہار کے نئے پہلو متعارف کروائے اور ناول نگاری کے موضوعاتی کینوس کو وسعت اور گہرائی سے ہمکنار کیا۔

1857ء کے سانحہ نے ادبیات پر گہرے اثرات مرتب کیے جس کے باعث حقیقت نگاری کی صورتحال سامنے آئی جس کو پہلے پہل سرسید اور ان کے رفقاء نے قبول کیا۔ حقیقت نگاری کی تحریک شعوری طور پر اُردو ادب کا حصہ بننے لگی تاکہ ادب کو ادب برائے ادب کی بجائے ادب برائے زندگی سے ہمکنار کیا جائے اور اس کوشش میں قصّہ گوئی اور مافوق الفطرت عناصر کی جگہ حقیقی اور سماجی شعور کو ناول نگاری کا خاصا بنایا جائے۔ اس حوالے سے حقیقت

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.5 No.4 2021

نگاری کے آثار سب سے پہلے ڈپٹی نذیر احمد کے قصے "مراۃ العروس" میں نمایاں طور پر نظر آئے۔ اس عہد کے ناول نگاروں نے سرسید کے فکری افکار کا اثر قبول کیا جو ان کی تحریروں میں غالب نظر آتا ہے۔ مولوی نذیر احمد، عبدالحلیم شرر، رتن ناتھ سرشار، مرزا رسوا اور راشد الخیری کے ناول اسی تناظر میں سماج کی موجودہ اخلاقی اقدار اور بے بسی، گھٹن اور سماجی رویوں کو بہتر انداز میں دیکھنے کے خواہاں ہیں اور یہی چیز حقیقت نگاری کی بنیاد بنی اور ان کے بعد میں آنے والے ناول نگاروں نے اس خوش آیند تبدیلی کو نہ صرف قبول کیا بلکہ ان کی تحریروں میں یہ تبدیلی جابجا دیکھی جاسکتی ہے۔

پروفیسر وقار عظیم لکھتے ہیں:

> "نذیر احمد، سرشار اور شرر ہماری ناول نگاری کی تاریخ میں نئی روایت کے پیش رو ہیں۔ ان تینوں ابتدائی ناول نگاروں نے اپنے ادراک اور دور بینی سے قصّہ گوئی کی دنیا میں ایک نئی ڈگر کا کھوج لگایا اور اپنے فنی عمل کے ذریعے سے اس ڈگر میں ایسی شمعیں جلائی جنھوں نے ہر آنے والے کی راہ روشن کی۔"(1)

موضوعات اور رجحانات کے لحاظ سے اُردو ناول مختلف نشیب و فراز سے گزرتا ہوا وقت کے تقاضوں کے مطابق نئی راہ پر نہ صرف گامزن ہوا بلکہ مختلف مراحل کو عبور کرتا ہوا اسے مافوق القصوں، حکایتوں اور داستانوں سے نکالتا ہوا حقیقت نگاری کی دنیا میں لے آیا۔ وقت اور تقاضوں کے برعکس ڈپٹی نذیر احمد، سرشار، شرر، پریم چند کی تخلیقات نے عوام کو حقیقت سے قریب تر کر دیا اور اس سے پہلے جو خواب قصّوں اور کہانیوں میں ملتے تھے ان ناول نگاروں نے حقیقی دنیا میں دکھائے۔ یہ رجحانات لحہ بہ لحہ بدلتے رہے اور یہی معاشرے کے بہترین عکاس تھے اور مختلف فکری دھاروں کے لوگ اپنی سطح سے بلند ہو کر ان پیچیدہ اور نازک موضوعات کو بڑی جانفشانی سے بیان کرنے لگے۔ واقعات نگاری ہمیشہ ہی سے ناولوں کا موضوع بنی رہی مگر ہر دور میں اس کی سماجی مجبوری کے پیشِ نظر حقیقت پسندی پر زیادہ توجہ دی گئی اور یہ حقیقت نگاری مختلف فکری دھاروں، رومانی، سماجی اور تاریخی ناولوں سے ہوتی ہوئی ترقی پسندانہ عہد میں داخل ہو گئی۔

ترقی پسند تحریک نے ناول نگاری میں حقیقت پسندی، روشن خیالی اور ترقی پسندی کو موضوع بنایا۔ اس سے قبل یہ کسی عہد میں اتنی آزادی سے نہیں ہوا۔ اگرچہ اس تحریک سے پہلے ان پامال موضوعات کو پریم چند کی تخلیقات چاہے وہ افسانہ، ناول، کہانی کوئی بھی صنف ادب ہو اس کو بڑی خوبصورتی سے سمویا گیا تھا اور یہی ناول ترقی پسند تحریک کا پیش خیمہ ثابت ہوئے۔ علی گڑھ تحریک سے وابستہ ناول نگاروں نے مسلم معاشرے اور پریم چند نے ہندو معاشرے کو اپنے ناولوں کا موضوع بنایا۔ دونوں طرف سے نظریات کے فرق کے باوجود سماجی معاملات کو اجاگر کرنے کا پہلو نمایاں رہا۔ پریم چند نے دیہاتی زندگی کے مسائل کے ساتھ جاگیر دارانہ اور سرمایہ دارانہ نظام اور ظلم و جبر کے خلاف آواز بلند کی اور اپنے عہد کی فرسودہ رسومات کی طرف توجہ مبذول کروائی اور سیاسی حالات کو بہت خوبصورتی اور صاف ستھری زبان سے پیش کیا تاکہ مسائل بھی بیاں ہو جائیں اور کسی کی دل آزاری بھی نہ ہو۔ بنیادی طور پر پریم چند کے ناولوں میں مقصدیت اور اصلاح پسندی غالب ہے۔ پریم چند کسی ادبی تحریک سے وابستہ نہ ہونے کے باوجود سماجی شعور کی عکاسی کرتے نظر آئے اور پریم چند کے ہاں براہِ راست اس ترقی پسند تحریک سے وابستہ نہ ہونے کے باوجود بھی ترقی پسند رجحانات ملتے ہیں۔

سید احتشام حسین لکھتے ہیں:

> "یہ پریم چند ہی کا کام تھا کہ انھوں نے محنت کش عوام کو اپنے افسانوں اور ناولوں کا ہیرو بنایا اور اس دنیا کی تصویر کھینچی جو سب سے زیادہ جاندار، سب سے زیادہ حقیقی اور سب سے زیادہ انسان دوستی کا مظہر تھی۔۔۔۔ پریم چند پہلے ادیب ہیں جنھوں نے شعوری طور پر ادب کے ذریعے عوام کے مسائل کو سمجھنے کی کوشش میں انسان دوستی کی طرف یہ قدم اٹھایا۔"(2)

اُردو ادب کی تاریخ میں بیسویں صدی اہم تبدیلیوں کی صدی رہی۔ اس صدی کی چوتھی دہائی میں ترقی پسند تحریک نے اُردو ادب پر گہرے اثرات مرتب کیے۔ ہماری زبان میں شعر و ادب کا بڑا ذخیرہ اسی تحریک کی پیداوار ہے۔ یہ تحریک ہندوستان کی دوسری زبانوں میں اظہار و اعتماد کا وسیلہ بن گئی۔ ہندوستان میں قومی بیداری کی جو لہر اُٹھی اس میں بنیادی طور پر یہاں کے حالات سیاسی و اقتصادی اور برطانوی سامراج کے تسلط کا دخل تھا۔ یہی وہ

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.5 No.4 2021

محرکات ہیں جس کی وجہ سے ادب شاہی سرپرستی سے نکل کر عوام کی دہلیز پر آ گیا۔ اس تحریک نے سب سے پہلے ادیبوں اور شعراء کے ذہنوں کو متاثر کیا۔ ترقی پسند دانشور ہی وہ لوگ تھے جنھوں نے عام آدمی کے دروازے پر دستک دی اور اسے اپنی ادبی تخلیقات کا موضوع بنایا۔

اس تحریک کا آغاز 1917ء کے روس انقلاب سے ہوا۔ انقلاب روس نے نہ صرف ادب پر بلکہ پوری دنیا پر اپنے اثرات مرتب کیے۔ دو مختلف نظام ہائے فکر ابھر کر سامنے آئے۔ ایک ایسے وقت میں جب ہندوستان میں آزادی کی تحریکیں سرگرم عمل تھیں اور عوام آزادی کے لیے جہد مسلسل کر رہے تھے۔ ان حالات میں 1917ء کا انقلاب ایک اُمید کی کرن بن کر ابھرا جس نے ادبی دنیا میں ہلچل پیدا کر دی۔ ہندوستان میں اس کے اثرات ترقی پسند تحریک کی صورت میں سامنے آئے۔ جولائی 1935ء میں پیرس میں دنیا بھر کے ادیبوں کی ایک کانفرنس میں یہ طے کیا گیا کہ ادیب کو اپنی انفرادی سطح سے بالاتر ہو کر اجتماعی مفاد اور تہذیب و ثقافت کی اعلیٰ قدروں کے فروغ و تحفظ کے لیے رجعت پسند قوتوں کا مقابلہ کرنا ہو گا۔ لندن میں مقیم ہندوستانی ادیبوں سجاد ظہیر اور ملک راج آنند نے اس کانفرنس میں ہندوستان کی نمائندگی کی۔ ہمارے نوجوان عالمی سیاست کا شعور اور حساس ذہن رکھتے تھے اور یہ بھی ان تحریکوں سے متاثر ہوئے اور اپنے وطن کی حالت بھی ان کے پیشِ نظر تھی۔ انھوں نے ہٹلر کے فاشزم کی مخالفت کی اور پھر ایک ادبی حلقے کی شکل اختیار کر لی اور انہی نوجوانوں نے 1932ء میں ادبی فلکشن میں "انگارے" دہکا دیئے۔ وہی ہم خیال اور ہم عمر نوجوان ترقی پسند تحریک کے اولین معمار تھے۔

1932ء میں "انگارے" کی اشاعت نے ادبی دنیا میں ایک ہنگامہ برپا کر دیا۔ "انگارے" میں شامل افسانوں میں کوئی فنی گہرائی اور ہمہ گیریت موجود نہیں اور نہ ہی اس نے ادبی دنیا میں کوئی گہرے نقوش چھوڑے۔ باوجود اس کے کہ اس میں فرسودہ رسومات اور سماجی قدروں کے خلاف اعلانِ بغاوت کا پہلو نمایاں ہے اور یہی "انگارے" ترقی پسند تحریک کو ایک مضبوط بنیاد فراہم کرنے کی وجہ بنا اور اب اس بات کی ضرورت تھی کہ اس تحریک کو عالمی اور ملکی سطح پر سامنے لایا جائے۔ اس کے لیے 1936ء میں کل ہند انجمن ترقی پسند مصنفین کی بنیاد رکھی اور اس تحریک کو کم و بیش تمام ادبی حلقوں اور بزرگ و نوجوانوں نے پرزور انداز میں قبول کرنے کے ساتھ ساتھ خیر مقدم بھی کیا۔

ترقی پسند تحریک نے اپنے وجود اور منشور کے بعد اُردو ادب کو ایک نئی دنیا سے متعارف کروایا اور ادبی تخلیقات کے لیے شعوری طور پر یہ اصول وضوابط واضح کیے اور اس تحریک نے ادب کو زندگی کے قریب تر کر دیا۔ اس تحریک نے اُردو ادب کو نئے تناظر میں داخل کیا اور سماجی اور انقلابی حقیقت نگاری صرف موضوعات تک محدود نہیں رہی بلکہ ہیئت، تکنیک اور فن پر اثر انداز ہوئی۔ یہ تحریک نہ صرف اپنی منزل کی جانب بڑھی بلکہ اس کی بدولت اُردو ادب میں نئے رجحانات، نئی اصناف، نئے الفاظ و تراکیب بھی در آئے۔ ترقی پسند ادب کی راہ میں جو چیز سدِ راہ ثابت ہوئی وہ ترقی پسند تحریک ہے۔ موجودہ عہد میں ترقی پسند ادب نے ترقی پسند تحریک کے اثرات سے نجات حاصل کرتے ہوئے داخلی توانائی کے راستے کو اپنایا ہے۔ مثال کے طور پر براہِ راست تخاطب کی پابندی سے نکل کر اس نے فن پارے کی باطنی توانائی کے ثبوت دیتے ہوئے علامت اور استعارے کی معنویت کو تسلیم کیا۔

ڈاکٹر سہیل بخاری ترقی پسند ادب کے بارے میں لکھتے ہیں:

> "ترقی پسند ادب جسے صحیح معنوں میں صحت مند کہا جا سکتا ہو، انفرادیت و اجتماعیت جمالیات و افادیت اور تخلیت و واقعیت کے متوازن امتزاج کا دوسرا نام ہے جس کی عمارت ماضی کی بنیادوں پر قائم ہے جس میں حال کے گہرے نقوش ملتے ہیں اور مستقبل کی جانب واضح اشارے رکھتا ہے جو صرف خواب ہی نہیں دکھاتا اس کی تعبیر بھی پیش کرتا ہے خیال ہی میں محو نہیں رکھتا عمل پر بھی اکساتا ہے جو عقل کو مطمئن کرنے کے ساتھ ساتھ جذبات کو بھی آسودگی بخشتا ہے اور جو تقلید کے بجائے تخلیقی روایتی کے بجائے اجتہادی اور ساکن و جامد کے بجائے متحرک و نامیاتی ہے۔"(3)

ترقی پسند ناول نگاروں نے انجمن کے بنیادی منشور کے زیر اثر بہت اہم ناول تخلیق کیے اور معاشرے میں پھیلے ہوئے انتشار اور ظلم و جبر کے خلاف مزاحمتی ادب تخلیق کیا اور عوام کو ظلم کے خلاف سینہ سپر ہونے اور تاویل جدوجہد کرنے کی تلقین کی۔ یہ ناول نگار ادب برائے ادب کے برعکس ادب برائے زندگی کے ترجمان تھے۔ یہ ایسے ناول نگار تھے جنھوں نے ناول کے روایتی تصور کے برعکس عام انسان کے دروازے پر دستک دی اور اپنے ناولوں کا موضوع بنایا اور ان ناول نگاروں نے معاشرے کے مظلوم طبقات اور کچلے ہوئے عوام کی معاشرتی صورتحال کو بیان کیا اور لوگوں کو نئے سماجی اور

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.5 No.4 2021

سیاسی شعور سے ہمکنار کیا۔ اس عہد کے ناول نگاروں نے اس فکر کی روشنی میں بہت سے ناول تحریر کیے جس میں سماج کو تبدیل ہوتے اور ایک نئے دھارے میں ڈھلتے دکھایا گیا۔ سجاد ظہیر، عزیز احمد، عصمت چغتائی، کرشن چندر اور راجندر سنگھ بیدی اس عہد کے اولین ناول نگاروں میں سے تھے جنھوں نے اس تحریک کے زیرِ اثر سماجی قدروں کو نمایاں کرنے کی کوشش کی ہے۔

ترقی پسند ناول نگاری میں سب سے پہلے جو ناول تحریک کی بنیاد بناوہ سجاد ظہیر کا ناول "لندن کی ایک رات" ہے۔ سجاد ظہیر 1927ء میں لندن میں زیرِ تعلیم تھے۔ انگلستان میں مارکس گروپ کی بنیاد پڑی، وہ اس کے نظریات سے اتنے متاثر ہوئے کہ 1931ء میں جب ہندوستان آئے تو انھوں نے ترقی پسند تحریک کی بنیاد رکھنے کا ارادہ کیا اور اس کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے تک "انگارے" کی اشاعت کی اور انجمن کے بانی کی حیثیت سے ادبی افق پر ایک درخشندہ ستارہ کی حیثیت سے اُبھرے۔ "انگارے" کے بعد "لندن کی ایک رات" لکھ کر اُردو ناول نگاری میں روشن خیالی اور حقیقت نگاری کی باقاعدہ بنیاد ڈالی۔ اس کے اختصار کے باعث جامعیت اور رنگارنگی کی موجودگی اس کو بہت خامیوں کے باوجود ناول کے قریب تر کر دیتی ہے۔ یہ ان کی ابتدائی کاوش ہے تو اس میں وہ پختہ شعور کارفرما نہیں ہے جو ایک ناول نگار کو درکار ہوتا ہے۔

"لندن کی ایک رات" سجاد ظہیر کے ترقی پسندانہ ادبی نظریات کا عکاس ہے۔ ترقی پسندانہ نظریات کا اس ناول میں متعدد مقامات پر اظہارِ خیال ملتا ہے۔ اس عہد کے ذہنی انتشار، نفسیاتی اور داخلی پیچیدگیوں اور بہت سی اخلاقی قدروں کے تصادم کو منظرِ عام پر لانے کی سعی کی ہے۔ اس ناول کے توسط سے ادب میں حقیقت نگاری کا رواج ہوا۔ انھوں نے اُردو ادب میں بے باک طرزِ تحریر کی بنیاد رکھی اور "لندن کی ایک رات" لکھ کر ترقی پسند ادبی نظریات کی عملی تفسیر پیش کی اور "شعور کی رو" کی تکنیک کو اُردو ناول میں پہلی بار برتا گیا اور یہ تجزیہ کامیاب رہا اور بعد میں آنے والے ناول نگاروں نے اس تکنیک کی پیروی کرتے ہوئے اس کو استعمال کیا۔

ترقی پسند ناول نگاروں میں سجاد ظہیر کے بعد سب سے قد آور شخصیت کرشن چندر کی ہے۔ انھوں نے اپنی ادبی کاوشوں میں ہمیشہ ترقی پسند نظریات اور اشتراکیت کی تبلیغ کی۔ ترقی پسند ناولوں میں کرشن چندر کا "شکست" ایک اہم کڑی کی حیثیت رکھتا ہے اگرچہ مواد اور موضوع کے لحاظ سے اچھوتا اور منفرد نہیں اور نہ ہی کینوس بہت کشادہ اور وسیع ہے جس میں زندگی کے مختلف حقائق دکھانے کی کوشش کی ہے۔ اس کے اسلوب نگارش کے باعث حقیقت اور رومانی امتزاج سے جذباتی تاثر قائم کرنے کی کوشش کی ہے۔ وہ اپنی مثال آپ ہے، "شکست" بنیادی طور پر برسرِ اقتدار طبقے کے مظالم اور مظلوم طبقے کی بے بسی اور بے کسی کی سرگذشت ہے۔

ترقی پسند ناول نگاروں میں سب سے اہم نام عزیز احمد کا ہے۔ عزیز احمد کی ناول نگاری بھی ترقی پسند خیالات پر مشتمل ہے۔ عزیز احمد کی بے باک حقیقت نگاری کو ترقی پسند ناول نگاری میں اہم مقام حاصل ہے۔ ان کے ناولوں میں سب سے زیادہ شہرت "گریز" کو حاصل ہے۔ اس تخلیق میں انھوں نے فنی شعور، عصری آگہی اور نفسیاتی و جنسی بصیرت کا ثبوت دیا ہے۔ وہ اُردو ناول کی تاریخ میں بہت اہمیت کا حامل ہے۔ اس ناول کا موضوع جنس ہی ہے۔ ناول کے موضوعات کے انتخاب اور واقعات کی پیش کش میں جس بے باک فنی شعور کا مظاہرہ کیا اور ناول کی تکنیک کے سلسلے میں جیسے تجربات کیے ہیں ان سے اُردو ناول نگاری ناواقف تھی۔ اس ناول میں شعور کی رو تکنیک سے بھرپور استفادہ کیا گیا ہے۔ جنس کے موضوع کو عزیز احمد نے کہیں بھی معاشی پہلوؤں سے الگ کر کے نہیں دکھایا ہے بلکہ اس کو معاشی بدحالی، مجبوری، ناداری کا نتیجہ تصور کیا ہے۔ اس عہد کے سیاسی، سماجی و ثقافتی اور تہذیبی حالات بالکل واضح ہو جاتے ہیں۔ جزئیات نگاری بڑی توانا اور خوب صورت ہے۔ عزیز احمد کے اسلوب بہت دلکش اور پلاٹ بے حد پُرکشش ہے اور یہی انفرادیت ان کو دوسرے ناول نگاروں سے ممتاز کرتی ہے۔ عزیز احمد ان چند ناول نگاروں میں سے ہیں جنھوں نے اُردو ناول کو نئی تکنیک اور فنی شعور سے متعارف کروایا۔

ادب کے میدان میں خواتین نے بھی اپنی صلاحیتوں کو منوایا ہے۔ عصمت چغتائی نے "ضدی" اور "ٹیڑھی لکیر" جیسے شاہکار ناول لکھے۔ انھوں نے خواتین میں نسائی شعور کی بھرپور ترویج و اشاعت کی۔ انھوں نے سماجی برائیوں کے ساتھ ساتھ معاشی بدحالی اور جنسی بے راہ روی کو اپنے ناولوں کا موضوع بنایا ہے۔ "ٹیڑھی لکیر" میں متوسط طبقے کی گھریلو معاشرتی زندگی کے مسائل اور جنسی انحطاط جیسے موضوعات کو بہت جانفشانی سے بیان کیا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ لڑکیوں کی تعلیم و تربیت کے مسائل، نفسیاتی اور جنسی الجھنوں کو شمن کے کردار کے ذریعے منظرِ عام پر لائی ہیں۔ اس عہد کی عورتوں میں جذباتی اور نفسیاتی احساسات و خواہشات کا اظہار کرنا ناممکن تھا لیکن عصمت کی ترقی پسند تحریک سے وابستگی نے ان میں جرات پیدا کر دی کہ وہ

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.5 No.4 2021

اپنی تخلیقات میں ان پیچیدگیوں کو بڑی خوبی سے پیش کرتی ہیں۔ عصمت چغتائی نے "ٹیڑھی لکیر" میں کردار نگاری کے جوہر دکھائے ہیں۔ اس لیے انھوں نے منفرد اسلوب کو اپنایا ہے۔ کرداروں کی نفسی کیفیات کے اظہار کے لیے رمز و کنایہ کے استعمال نے اسلوب کو جاندار بنا دیا ہے۔

بقول ڈاکٹر انور سدید:

> "عصمت چغتائی کا ناول "ٹیڑھی لکیر" ان کی اپنی زندگی کے پس منظر سے ابھرا۔ عصمت نے شوخ مزاجی سے گرم جملوں کو استعمال کیا۔ نسوانی مزاج اور نفسیات سے آشنائی کا ثبوت دیا لیکن بطور ناول نگار انھیں "ٹیڑھی لکیر" سے شہرت ملی اور یہی ان کے فن کا سنگِ میل نظر آتا ہے۔"(4)

کچھ ناول نگار ایسے بھی ہیں جن کو اس تحریک سے براہِ راست تو کچھ خاص تعلق نہیں لیکن ان کی تخلیقات میں جا بجا ترقی پسند عناصر ضرور پائے جاتے ہیں۔ ان میں ایک نام راجندر سنگھ بیدی کا بھی ہے۔ راجندر بیدی اُردو فکشن کی تاریخ میں کسی تعارف کا محتاج نہیں ہے۔ وہ اُردو کے بلند پایہ افسانہ نگار ہیں۔ انھوں نے ایک ہی ناول "ایک چادر میلی سی" کے نام سے لکھا۔ اسی کی بنا پر انھوں نے ناول نگاری میں منفرد مقام بنایا۔ بیدی ترقی پسند تحریک سے وابستہ نہیں رہے اور نہ ہی تحریک کے نعروں اور نظریات میں شریک رہے لیکن ان کی ادبی کاوشوں میں ترقی پسند عناصر کی جھلک واضح نظر آتی ہے۔ اس ناول کی بنیاد سماجی حقیقت نگاری پر رکھی ہے۔ بیدی کی کردار نگاری اور حقیقت نگاری ترقی پسندوں کی حقیقت نگاری سے یکسر مختلف ہے۔ وہ ظاہری سے باطنی حقیقت پر یقین رکھتے تھے۔ اس لیے ان کے ناولوں میں باطنی حقیقت کے پوشیدہ پہلوؤں کو موضوع بنایا گیا ہے۔ عورت کی بے بسی، مجبوری، سماجی پابندیوں اور اقتصادی حالات و افلاس کی جرات مندانہ اور فنکارانہ انداز میں عکاسی کی ہے۔ دوسری طرف جاگیر دارانہ نظام کی فرسودہ روایات اور بااثر بھیڑیوں کا پردہ چاک کیا ہے۔

ان ناولوں میں انسانی نفسیات کے گہرے مطالعے اور فلسفیانہ مسائل کے ساتھ ساتھ ہماری تہذیبی، سیاسی، سماجی اور معاشی زندگی کے مختلف پہلوؤں کو بڑی چابکدستی سے بیان کیا ہے۔ ان ناولوں میں اسلوب و اظہار کے نت نئے پہلو بھی سامنے آئے۔ ان میں طبقاتی تفریق، غربت اور استحصال وغیرہ شامل ہیں۔ یہ اپنی تحریروں سے ہندوستانی نوجوانوں کے ذہنوں میں سماجی اور سیاسی شعور کو بیدار کرنا چاہتے تھے۔

اس عہد کے ناول نگاروں نے حقیقت پسندانہ سیاسی رجحانات کی ترجمانی کے ساتھ کسانوں کے حقوق کی بقاء مہاجنوں اور سود خوروں کی چالاکیوں کو بے نقاب، طبقاتی تقسیم اور مزدوروں کے ساتھ غیر منصفانہ سلوک کو طشت از بام کیا ہے۔ اس عہد کے ناولوں میں ترقی پسندیت کی جھلک بھی نمایاں نظر آتی ہے۔

ڈاکٹر قمر رئیس 1936ء کے بعد کے ناول نگاروں کے بارے میں لکھتے ہیں:

> "وہ پریم چند کے مقابلے میں جدید تر ذہن، سائنسی فکر اور احساس تازہ کی مالک تھے۔ ان کے عرفان و آگہی کی بنیاد جدید سائنسی علوم تھے۔ اس کے پاس، بشریت اور عقلیت کی نئی کسوٹی تھی۔ اس کے ذہنی شعور کی تعمیر میں اگر ایک طرف مارکسی اور اشتراکی سرمایۂ ادب تھا تو دوسری طرف فرائیڈ ڈی۔ ایچ۔ لارنس، برنارڈ شاہ اور جیمس جوائس جیسے مفکر اور ادیب تھے۔"(5)

تقسیمِ ہند کے بعد پاکستان کے نو تشکیلی معاشرے کی سماجی برائیوں میں اضافہ ایک مشکل مرحلہ تھا جس کے کرب کو ہر حساس دل انسان نے محسوس کیا اور ہمارے شعراء ادباء بھی پیچھے نہ رہے وہ بھی اپنی حیثیت کے مطابق امن، سماجی برائیوں کی نشاندہی کرتے نظر آتے ہیں۔ ان میں ایک ناول "خدا کی بستی" ہے جو شوکت صدیقی نے تحریر کیا۔ شوکت صدیقی نے پریم چند کی طرح زندگی اور اس کی تمام رعنائیوں کا وسیع مطالعہ کیا اور اس عہد کی سماجی کشمکش، معاشی الجھنوں اور پیچیدہ معاشرتی حقیقتوں کو اس ناول میں بھرپور انداز سے پیش کیا۔ "خدا کی بستی" میں شہری مسائل کو حقیقت پسندانہ انداز میں پیش کیا ہے۔ اس ناول میں مارکسی تحریک کے اثرات کے ساتھ ساتھ کراچی کے گھٹن زدہ ماحول، غلاظت، معاشی استحصال، طبقاتی کشمکش اور نچلے طبقے کی نفسیاتی پیچیدگیوں کو وسعتِ فکر کے ساتھ سمیٹا ہے جس میں حقیقی زندگی کی فروعات کو خارجی سطح پر نمایاں کیا ہے۔

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.5 No.4 2021

"تہذیبی اور ثقافتی قدروں کا بحران، جھوٹ، منافقت اور زر پرستی کو جس سطح پر لے آیا ہے۔ اس ناول میں سماجی زندگی کی عکاسی بڑے بھرپور انداز میں ملتی ہے۔ پڑھتے ہوئے محسوس ہوتا ہے جیسے تباہی اور آشوب کی نادیدہ قوتیں کشاں کشاں ایسے راستوں پر لے جاتی ہیں جہاں ایک المیہ ناول کے کرداروں کا منتظر کھڑا ہوتا ہے۔"(6)

تقسیمِ ہند کے ہی پس منظر میں خدیجہ مستور نے "آنگن" لکھا۔ اس ناول کا کچھ دورانیہ تقسیمِ ہند سے پہلے اور کچھ ذرا بعد کا ہے۔ اس ناول میں تقسیم کے دوران ایک خاندان کی الجھنوں اور پریشانیوں کے عمل کو دکھایا گیا ہے۔ انھوں نے دونوں پارٹیوں کے نظریات و خیالات کی تبلیغ نہیں کی بلکہ بہت جانبداری سے اس مرحلے سے گزر کر اس کو سیاسی و دستاویزی ناول نہیں بننے دیا۔ "آنگن" صرف ایک متوسط طبقے کا نہیں بلکہ اس عہد کے ہر گھر کا آنگن بن جاتا ہے۔

حیات اللہ انصاری کانگریس کے سرگرم رکن تھے۔ انھوں نے اپنے ناولوں میں ہندوستانی عوام اور ان کی آزادی کی کوششوں کو بڑے ہی مفکرانہ اور دانشورانہ انداز میں بیان کیا ہے۔ "لہو کے پھول" میں کانگریسی نظریات کی تبلیغ اور اشاعت کرتے نظر آتے ہیں۔ انھوں نے کانگریس کے ساتھ ہمدردی کے باوجود اس کی خامیوں کو نظر انداز نہیں کیا بلکہ جگہ جگہ کانگریس کو تنقید کا نشانہ بناتے ہیں۔ اس کی کامیابی میں حیات اللہ کے منفرد اسلوب نے لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کیا اور پریم چند کے اسلوب کو نئے عصری تقاضوں میں ڈھال کر امر کر دیا۔

ترقی پسند ناول نگاروں کے زیرِ اثر جو ناول لکھے گئے ہیں ان میں مجموعی طور پر سماجی انصاف، اعلیٰ انسانی اقدار، استحصال کے خلاف ردِ عمل، عدم مساوات اور معاشرتی بے اعتدالی پر مبنی موضوعات کو زیرِ بحث لایا گیا ہے۔ روشن خیالی کی یہ روایت فکری سطح پر پورے ادب پر محیط دکھائی دیتی ہے۔ بالخصوص ناول نگاری کی روایت کو نئی جہت عطا کرنے میں اس تحریک نے بہت بڑا کردار ادا کیا ہے۔ بالواسطہ طور پر ترقی پسند تحریک کے دور کے بعد بھی جو ناول نگار سامنے آئے انھوں نے کم و بیش انھیں افکار و نظریات کے زیرِ اثر ناول تخلیق کیے۔ یہاں یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ ایسے ناول نگار جو عرفِ عام میں ترقی پسند نہیں کہلاتے تھے انھوں نے بھی ترقی پسندی کے مرکزی طرزِ فکر کو نہ صرف اختیار کیا بلکہ ایسے شاہکار ناول لکھے جو اُردو ادب میں نمایاں حیثیت کے حامل ہیں۔ ترقی پسند تحریک تو ماند پڑ گئی لیکن ترقی پسند ادیب کا سفر جاری ہے۔ یہ تحریک اختتام کے بعد بھی اپنی روش سے اُردو ادب کو متاثر کرتی رہی ہے۔ حقیقت نگاری اور روشن خیالی کسی نہ کسی صورت میں ہمارے ادب میں موجود ہے اور اس کے موضوعات اپنے عہد کے مطابق مختلف اشکال میں بیان کیے جا رہے ہیں۔

1954ء کے بعد ترقی پسندی ختم ہونے لگی تو جدیدیت نے اپنے قدم جمانے شروع کر کیے اور 1960ء میں جدیدیت کا باقاعدہ آغاز ہو گیا۔ اس کے بعد ناول کے بعد دوسری اصنافِ سخن بھی جدیدیت سے متاثر ہوئے بغیر رہ نہ سکیں۔ افسانوں میں علامتی اور تجریدی افسانہ لکھے جانے لگے مگر ناولوں میں اس کی تعداد کم ہے اور ناولوں میں جدیدیت کے اثرات دیر پا ثابت نہ ہو سکے اور 1970ء میں ناول پھر سے پرانی روش کی گونج سنائی دینے لگی اگر اس عہد کے ناولوں میں اگرچہ موجودہ دور کے مسائل بھی اجاگر کیے گئے۔ اس عہد کی خاص بات یہ تھی کہ یہ عہد کسی تحریک سے وابستہ نظر نہیں آتا بلکہ ناول نگاروں نے اپنی تحریروں میں اپنی ذات اور شعور کی روشنی کو فروغ دیا اور اپنے عہد کے ایسے مسائل کو موضوع بنایا جو 1970ء سے قبل خال خال نظر آتے تھے۔ اس کا ایک سبب تو یہ تھا کہ دنیا بہت تیزی سے ترقی کی طرف گامزن تھی اور نئے مسائل سے معاشرہ دوچار تھا جس کے پیشِ نظر ناول نگاروں نے نہ صرف مختلف موضوعات کی طرف توجہ مبذول کی بلکہ ان کو اپنے ناولوں کا موضوع بھی بنایا اور معاشرے میں پائی جانے والی بے راہ روی اور سیاسی و سماجی استحصال اور انفرادی مسائل کے علاوہ وہ تمام موضوعات جو ترقی پسندی کا خاصا رہا 1980ء کے بعد ایک بار پھر اُردو ناولوں میں زیرِ بحث رہے۔ لہٰذا ترقی پسند فکر اپنی مرکزی معنویت کے اعتبار سے سارے ادب میں کارفرما رہی، بالخصوص 80ء کی دہائی کے بعد ناول نگاروں نے اس فکری اور نظریاتی رجحان کو اپنے خاص انداز سے فن کا موضوع بنایا۔ 1980ء کے بعد کے سیاسی، سماجی اور مذہبی نظریات کے بدلتے ہوئے رجحانات "دو گز زمین"، "مکان"، "بولو مت چُپ رہو"، "فائر ایریا"، "کسی دن"، "نمک"، "غلام باغ"، "خوشیوں کا باغ"، "دیوار کے پیچھے"، "کئی چاند تھے سرِ آسمان" جیسے ناولوں میں دیکھے جا سکتے ہیں۔

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.5 No.4 2021

اس سلسلے میں ڈاکٹر ظہور الدین لکھتے ہیں:

"یہ تحریک گویا اب دم توڑ چکی ہے لیکن اس کا بویا ہوا بیج ہمیشہ پھلتا رہے گا جب تک دنیا میں جبر واستحصال، ظلم و استبداد اور بھوک و افلاس باقی ہے انسانوں کو اس کی ضرورت محسوس ہوتی رہے گی۔ اس تحریک نے جن اخلاقی اصولوں کی ترویج کی وہ رہتی دنیا تک انسانوں کو راہ دکھاتے رہیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ آج بھی ہر ادیب وہی سب کچھ کر رہا ہے اور انہیں مسائل کو اپنا موضوع بنا رہا ہے جن کو اس تحریک نے موضوع بنایا چاہے وہ بظاہر اس تحریک کی مخالفت ہی کیوں نہ کرتا ہو جب تک ادب کو زندگی کی ضرورت ہے تب تک ترقی پسند تحریک کی بھی ضرورت محسوس ہوتی رہے گی۔"(7)

ڈاکٹر انور سجاد ایک بہترین ناول نگار، ترقی پسند مصنف اور ہمہ جہت فنکارانہ صلاحیتوں کے مالک ہیں۔ انھوں نے پرانی روایات سے ہٹ کر ناول کو نئے رجحانات سے روشناس کروایا مگر ان کی تخلیق میں ترقی پسند سوچ غالب ہے۔ انور سجاد کا ناول "خوشیوں کا باغ" تیسری دنیا میں معاشرتی، سماجی، فکری اور معاشی بحران کا عکاس ہے اور یہ کہنا مناسب ہو گا کہ ان کا یہ ناول بہت حد تک ترقی پسند افکار کے زیرِ اثر تخلیق کیا گیا ہے۔ ان کا موضوعاتی اظہار من و عن ترقی پسند ناول نگاروں سے مماثلت رکھتا ہے اور ترقی پسند تحریک ان ہی تصورات کو اجاگر کرتی ہے جو معاشرے میں امن، انصاف اور مساوات کے حقوق کی ترجمانی کرتے ہیں۔

"دیوار کے پیچھے" انیس ناگی کا ناول ادبی دنیا میں بہت شہرت و مقبولیت کا حامل ٹھہرا۔ اس کو اُردو ناول کی نئی روایت کا نقطۂ آغاز کہا جاتا ہے جس میں انسان کے وجودی کرب کا تخلیقی بیان ہے اور تقسیم کے بعد نظریاتی اور فکری بحران کے نتیجے میں فرد کی بے بسی اور گھٹن کو اجاگر کرتا ہے اور سماج میں ہونے والی ناانصافیوں اور بے اعتدالیوں کو منظرِ عام پر لاتا ہے جو ترقی پسند ناول نگاروں کا اہم پہلو قرار دیا جاتا ہے۔

عبدالصمد عصرِ حاضر کے ممتاز فکشن نگار ہیں۔ ان کے ناول "دو گز زمین" کو بہت زیادہ پذیرائی ملی۔ انھوں نے اپنے ناول میں اس عہد کے حساس سیاسی و سماجی مسائل کو موضوع بنایا۔ ہجرت، فرقہ پرستی، فسادات، بدعنوانی رشوت، لاقانونیت، تعصب و تنگ نظری جیسے مسائل کو جو ہندوستانی سماج کو کھوکھلا کر رہے ہیں کمال مہارت سے ان کی مرقع کشی کی ہے۔ اس ناول میں ہجرت کے نتیجے میں پیدا ہونے والے مسائل اور غریب اور امیر طبقوں کو اپنے مستقبل کا فیصلہ کرنے میں جو مشکلات در پیش آئیں اس کے علاوہ ناول میں سیاست کی شاطرانہ چالوں کی وجہ سے معاشرے کی تباہی کو جدید تناظر میں پیش کیا گیا ہے۔

پیغام آفاقی اُردو کے معروف ناول نگار ہیں جنھوں نے اپنے ناول "مکان" سے اپنی الگ پہچان بنائی۔ "مکان" اسلوب اور موضوع دونوں لحاظ سے اہم ہے۔ عصرِ حاضر میں جرائم میں اضافہ اور مافیاراج ہمارے معاشرے میں بڑے چیلنج ہیں۔ انہی مسائل کو انھوں نے اپنی فکر کا محور بنایا ہے۔ "مکان" عصرِ حاضر کی سیاسی اور سماجی صورتحال کا آئینہ دار ہے۔ عورتوں کے مسائل کو انھوں نے بہت چابکدستی سے پیش کیا ہے۔ "مکان" صرف ایک عورت کی کہانی نہیں بلکہ ملکی سطح پر ہونے والے جبر واستحصال کی کہانی ہے۔ یہ ناول معاشرے کی مختلف جہتوں کو سامنے لاتا ہے جو اس کے بگڑنے کی وجہ بنے ہوئے ہیں۔

حسین الحق نے "بولو مت چپ رہو" میں محکمہ تعلیم کی افسر شاہی کو موضوع بنا کر اس محکمے کی تاریکی کو منظرِ عام پر لانے کی سعی کی ہے۔ تعلیمی ادارے تجارت کا ذریعہ بن گئے ہیں اور اس تجارت کو مختلف حربوں سے فروغ دیا جا رہا ہے اور جو لوگ ایماندار اور فرض شناس ہیں وہ کیسے پیچھے رہ جاتے ہیں۔ جہاں ایک طرف سماج میں پیدا ہونے والی برائیوں کو بے نقاب کیا وہی سماج میں بسنے والے لوگوں کے اخلاقی معیار کے انتہائی پست ہونے کے منظر کو بہت خوبصورتی سے قلمبند کیا ہے۔

الیاس احمد گدی بھی اس حوالے سے بہت منفرد ناول نگار ہیں کہ جنھوں نے پہلی بار کول فیلڈ میں مصروف ترین محنت کش انسانوں کے حقیقی خدوخال کو "فائر ایریا" میں بڑی چابکدستی سے بیان کیا ہے اور ہندوستان کی سماجیات اور محنت کش طبقے پر ہونے والے استحصال کو بڑی فنکارانہ مہارت سے اجاگر کیا ہے اور یہ کہنا مناسب ہو گا کہ یہ ناول نگار پریم چند کی طرح مزدوروں اور کسانوں کی زندگی کو بہت حقیقت پسندی سے منظرِ عام پر لانے کا فریضہ

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.5 No.4 2021

انجام دیتے رہے ہیں جنھوں نے بھوک، مفلسی اور استحصال کو مختلف کرداروں کے توسط سے بیان کیا ہے اور بالخصوص پریم چند سے مطابقت رکھتے ہوئے ماحول، واقعات اور کرداروں سے خصوصی استفادہ کیا گیا ہے۔

مرزا اطہر بیگ اکیسویں صدی کے ممتاز ناول نگاروں میں شمار ہوتے ہیں۔ "غلام باغ" اور "صفر سے ایک تک" دورِ حاضر کے بہترین ناولوں میں گنے جاتے ہیں۔ مرزا اطہر بیگ روایت سے ہٹ کر نئے اور منفرد موضوعات کا انتخاب کرتے ہیں۔ انھوں نے "غلام باغ" میں فلسفیانہ مباحث، طبقاتی کشمکش، معاشرتی انتشار اور جنسی و نفسیاتی مسائل کو اپنے منفرد اسلوب کے ذریعے فنی بصیرت اور جدید تناظر میں پیش کیا ہے۔ وہ اپنی طرزِ فکر میں ترقی پسند افکار کے بنیادی عناصر سے مطابقت رکھتے ہیں۔ ان کے ہاں روشن خیالی اور سماجی صورتحال کو بڑی حقیقت پسندی سے بیان کیا گیا ہے اور خاص طور پر اس ناول کے نسوانی کردار میں احتجاج اور بغاوت کا پہلو ترقی پسندانہ افکار کو اجاگر کرتا ہے۔

"کئی چاند تھے سرِ آسمان" شمس الرحمٰن فاروقی کا عالمی شہرت یافتہ ناول ہے جو انیسویں صدی کی تہذیب اور معاشرت پر مبنی ہے جس نے اُردو ناول کو نئی بلندیوں سے آشنا کیا اور انیسویں صدی کی تہذیب و معاشرت کو فنی بصیرت سے پیش کیا گیا ہے۔

شمس الرحمٰن فاروقی کے ہاں اظہار کی کشادگی، وسعت نظری اور جرات و بے باکی پائی جاتی ہے اور ان کے طرز اظہار، بیانیہ اور موضوعاتی تیور بہت حد تک نئے طرز فکر اور روشن خیالی کی نمائندگی کرتے ہیں اور ان کا موضوعاتی کینوس بہت حد تک حقیقت پسند مصنفین سے مختلف ہوتے ہوئے بھی بہت سی مماثلتوں کا حامل ہے۔

طاہرہ اقبال کا شمار عہد حاضر کے معروف لکھاریوں میں ہوتا ہے۔ ان کی ابتدائی شہرت افسانہ نگار کی حیثیت سے ہوئی لیکن ناول نگاری میں بھی طبع آزمائی کی۔ جب ان کا ناول "نیلی بار" منظرِ عام پر آیا تو ادبی دنیا میں خاصی شہرت کا حامل ٹھہرا۔ یہ ناول معاشرے میں موجود مختلف سیاسی، سماجی، مذہبی اور تہذیبی مسائل سے پردہ اٹھاتا ہے۔ انھوں نے ایک خاص علاقے "نیلی بار" کی تہذیب و ثقافت، سیاست اور سماج کو موضوعِ بحث بنایا ہے مگر در حقیقت یہ ناول پورے پاکستان کی تہذیب و ثقافت کو بیان کرتا ہے۔ طاہرہ اقبال کا یہ ناول پنجاب کی ساندل بار تہذیب اور اس سے وابستہ کرداروں کا بہت خوب صورت طرزِ اظہار ہے جو حقیقی زندگی کا ترجمان ہے۔ ناول کے تمام کردار حقیقت پسندی کے عکاس ہیں اور دیہاتی معاشرت کے آئینہ دار ہیں اور یہی حقیقت پسندی ترقی پسند خیالات کا طرۂ امتیاز ہے۔ اس حوالے سے یہ ناول روشن خیالی اور حقیقت پسندی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

نئی پود کے ناولوں میں اپنے عہد کے مسائل کو موضوع بنایا گیا ہے اور معاشرے میں پائی جانے والی بے راہ روی اور سیاسی و سماجی استحصال اور انفرادی مسائل کو اجاگر کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

ترقی پسند تحریک نے لوگوں میں سماجی شعور کی جوت جگائی اور بدلتے ہوئے ادبی منظر نامے میں ناول نگاروں کو نئے انداز میں زندگی کو دیکھنے، پرکھنے اور فن کا حصہ بنانے کا سلیقہ فراہم کیا۔ اس ضمن میں ترقی پسند تحریک سے وابستہ ناول نگاروں نے اپنی مخصوص فکری حدود و قیود میں رہتے ہوئے شاہکار ناول تخلیق کیے اور ناول نگاری کی روایت میں نئے دور کا آغاز کیا۔

1980ء کے بعد کے ناولوں میں متنوع موضوعات ملتے ہیں جو فکری اور موضوعاتی سطح پر عصرِ حاضر کے سیاسی اور سماجی مسائل کے ساتھ ساتھ ذاتی اور انفرادی مسائل کا احاطہ کرتے نظر آتے ہیں۔ انھوں نے صرف عصرِ حاضر کے مسائل کو ہی نہیں بلکہ نفسیاتی پیچیدگیوں کو بھی سلجھانے کی سعی کی ہے ۔1980ء کے ناولوں کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ ان ناولوں کو کسی ایک فکری نظریے کے تحت نہیں لکھا گیا۔ اس عہد کے ناولوں کا اسلوب صاف و شفاف ہے۔

ان سارے ناولوں میں ترقی پسند تحریک سے وابستہ موضوعات جابجا نظر آتے ہیں جیسے انسان دوستی، سماج اور طبقات کی عکاسی، روشن خیالی، سماجی ناانصافی اور سماجی مساوات، اعلیٰ انسانی اقدار کا فروغ، فرد کی تنہائی، اداسی و بے بسی زندگی سے بے زاری اور ماضی پسندی نمایاں ہے جبکہ ان کے زیرِ اثر دیگر ناول نگاروں نے انہی خطوط پر تخلیقی سفر جاری رکھا۔ اس حوالے سے یہ ناول نگار ترقی پسندانہ افکار کی ترویج کے سلسلے میں ایک نظریاتی اور فکری تسلسل جاری رکھنے میں اپنا تاریخی فریضہ انجام دے رہے ہیں۔ یوں نئے ادبی منظر نامے میں ترقی پسند افکار کو مختلف اشکال اور طریقہ ہائے اظہار میں ڈھل کر عہد جدید کی نئی معنویت کو اجاگر کرتے دکھائی دیتے ہیں۔

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.5 No.4 2021

حوالہ جات

1) وقار عظیم، پروفیسر، داستان سے افسانے تک، اُردو اکیڈمی سندھ، کراچی:1966ء، ص:77
2) سید احتشام حسین، "پریم چند کا تنقیدی مطالعہ"، مرتبہ مشرف احمد نفیس اکیڈمی تیرتھ داس روڈ کراچی:1986ء، ص:45،244
3) سہیل بخاری، ڈاکٹر، ناول نگاری، اُردو ناول کی تاریخ اور تنقید، مکتبہ میری لائبریری، لاہور:1966ء، ص:249
4) انور سدید، ڈاکٹر، اُردو ادب کی مختصر تاریخ، عزیز بک ڈپو، لاہور:1998ء، ص:568
5) قمر رئیس، ڈاکٹر، اُردو فکشن کی تنقید، ارتقی کریم، ڈاکٹر، فکشن ہاؤس، لاہور: س ن، ص:268
6) فاروق عثمان، ڈاکٹر، اُردو ناول میں سماجی شعور، محمد افضال بٹ، ڈاکٹر، پورب اکادمی، اسلام آباد:2015ء، ص:368
7) ظہور الدین ڈاکٹر، بیسویں صدی کے اُردو ادب میں انگریزی کے ادبی رجحانات، مشمولہ منتظر مہدی، ڈاکٹر، ترقی پسند اُردو ناول بک ٹاک، لاہور: 2019ء:323